رسائل و مسائل

نماز میں آلۂ مکبّر الصّوت کا استعمال

پنجاب کے ایک تعلیم یافتہ نوجوان نے دریافت کیا ہے کہ نماز میں آلۂ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کے استعمال کا شرعی حکم کیا ہے؟ وہ لکھتے ہیں:

یہاں عید الفطر کے موقع پر عید گاہ کے منتظم حضرات نے لاؤڈ اسپیکر نصب کرایا تھا۔ نماز کے بعد مقامی علماء نے اس کی مخالفت شروع کی اور باہر سے فتویٰ حاصل کر کے عوام سے کہا کہ تمہاری نمازیں نہیں ہوئیں۔ اب عوام پریشان ہیں، اور منتظمینِ عید گاہ خائف ہیں کہ اگر ہم نے اس دفعہ پھر لاؤڈ اسپیکر نصب کرایا تو عوام ہم سے برگشتہ ہو جائیں گے اور علماء ہمارے خلاف الحاد کا فتویٰ صادر کر دیں گے۔

پچھلی دفعہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے یہ فائدہ ہوا تھا کہ امام کی آواز تمام مقتدیوں تک صاف طور پر پہنچتی تھی اور نماز میں باقاعدگی پیدا ہو گئی تھی۔ حالانکہ اس سے پہلے بدنظمی کی یہ حالت ہوتی تھی کہ صفوں میں انتشار رہتا تھا۔ کوئی مقتدی رکوع میں ہوتا تھا اور کوئی سجود میں۔

مقامی علماء سے عدم جواز کے دلائل پوچھے گئے تو انھوں نے دو باتیں بیان کیں:

(۱) لاؤڈ اسپیکر کا استعمال داخلِ لہو و لعب ہے۔

(۲) فقہ حنفی کی رو سے غیر امام کی آواز پر اگر مقتدی کسی قسم کی حرکت کرے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

لیکن ان دلائل سے ہمارا اطمینان نہیں ہوتا۔ پہلی بات تو دلیل نہیں بلکہ خود ایک دعویٰ بلا دلیل ہے۔

دوسری بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات لاؤڈ اسپیکر کے اصولِ ساخت سے ہی واقف نہیں۔ اس آلہ کے ذریعہ سے نشر شدہ آواز کو غیر امام کی آواز کسی طرح نہیں کہا جا سکتا۔ علما کی ایسی بودی اور کمزور باتوں سے تعلیم یافتہ طبقہ سخت بددل ہو رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے پیشوایانِ دین ہندوستان کے مسلمان نوجوانوں کو بھی اسی بغاوت پر مجبور کرنا چاہتے ہیں جس پر اتاترک اور رضا شاہ مجبور ہوئے۔ لیکن کیا اس ردعمل میں ہمارے لئے صحیح اسلام سے بھی اسی طرح دور جا پڑنے کا خطرہ نہیں جس طرح یہ دو فرمانروایانِ اسلام صراطِ مستقیم سے بھٹک کر ثابت کر چکے ہیں۔

اس معاملہ میں ہمیں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے کہ ہمیں آپ کی بصیرت اور اجتہاد پر پورا اعتماد ہے۔ اگر آپ ایسے بڑے مجمعوں میں نماز پڑھانے کے لئے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو جائز سمجھتے ہیں تو تفصیلاً اس کے دلائل تحریر فرمائیں تاکہ ہم علمائے کرام کی تشفی کر سکیں۔ اور اگر آپ کے خیال میں کچھ ایسے مصالح دینی ہیں جن کے پیشِ نظر اس کا استعمال خلافِ احتیاط ہو تو بھی ہمیں اس کے متعلق واضح طور پر لکھیں تاکہ نوجوانوں کو سمجھایا جا سکے۔"

یہ استفسار بتمام وکمال اس لئے نقل کیا گیا ہے کہ علمائے اسلام وقت کے رجحانات کو سمجھیں اور غور فرمائیں کہ جس دور میں وہ رہتے ہیں وہ کس طرز پر مذہبی رہنمائی کا طالب ہے، اور اس دور میں دو سو برس پرانے طریقِ رہنمائی کو اختیار کرنے کے نتائج کیا ہیں۔ اب سے دو تین سال قبل حیدرآباد میں بھی ایسی ہی صورت پیش آئی تھی۔ عید گاہ میں لاؤڈ اسپیکر لگایا گیا، لوگوں نے بہت اچھی طرح نماز ادا کی، اور ہر شخص اس سے مطمئن تھا، مگر بعد میں علما نے مخالفت کی، کمیٹیاں ہوئیں، مشورے ہوئے، اور آخر کار فیصلہ کر دیا گیا کہ نماز میں اس آلہ کا استعمال ناجائز ہے۔ میں اس وقت حیدرآباد ہی میں تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ اس کا کتنا برا اثر تعلیم یافتہ طبقہ پر ہوا اور کیا کیا خیالات علما کے متعلق ظاہر کئے گئے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں جو احکامِ دین کو اس تعلیم یافتہ اور نو تعلیم یافتہ

طبقہ کی اہواء کا تابع بنانا چاہتے ہیں، اور یہی کور روشن خیالی سمجھتے ہیں۔ اگر میں یہ دعویٰ کروں تو شاید غلط نہ ہوگا کہ اس گروہ کے غیر اسلامی رجحانات کے خلاف جہاد کرنے میں میرا قدم کسی متشدد سے متشدد عالم دین سے بھی پیچھے نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں اس بات کا بھی سخت مخالف ہوں کہ علماء کرام وقت کے رجحانات سے منہ موڑ کر بیٹھ جائیں، اور اس امر کو بالکل بھول جائیں کہ وہ ہدایہ اور بدائع کے زمانۂ تصنیف میں نہیں بلکہ نت نئی سائنٹفک ایجادات، اور تیز رفتار تمدنی انقلابات کے دور میں رہتے ہیں۔ اس دور میں روز بروز نئے مسائل کا پیدا ہونا لابدی ہے، اور ان مسائل کو ہدایہ و بدائع کی روشنی میں حل کرنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں، جس کا خطرہ نوجوان سائل نے اپنے استفسار میں ظاہر کیا ہے۔ ہماری نئی نسلیں شدت کے ساتھ اپنے زمانہ کے حالات سے متأثر ہو رہی ہیں، اور یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ زمانہ اپنی طبعی رفتار سے جو حالات اور جو مسائل پیدا کر دے ان سے وہ قوم یکسر بے تعلق ہو کر رہے جو کروروں کی تعداد میں دنیا کے ہر حصہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ ان نئی نسلوں میں اگر کوئی غیر اسلامی رجحان پیدا ہو تو اس کو روکنے کے لئے علماء اسلام کے پاس وہ طاقت ور دلائل چاہئیں جو اس زمانہ کے دماغوں سے اپنا لوہا منوا سکتے ہوں۔ چھٹی صدی ہجری کی منطق اب کام نہیں دے سکتی۔ اور اگر یہ لوگ جدید تمدنی زندگی میں اسلام کی شاہراہ پر آگے بڑھنا چاہیں تو ان کی رہنمائی کے لئے علماء اسلام میں وسعتِ نظر اور روح اجتہاد کی ضرورت ہے۔ قدم قدم پر عالمگیری اور تاتارخانی کو لا کر سد راہ بنانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نئے زمانہ کے مسلمان قرآن اور حدیث کو بھی پیچھے چھوڑ کر جدھر منہ اُٹھے گا چل نکلیں گے، جس طرح ترک اور ایرانی چل نکلے۔

مسئلہ زیر بحث کا جواب چند الفاظ میں دیا جا سکتا ہے لیکن اس سے پہلے میں چند اصول بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ اسی نوعیت کے دوسرے مسائل میں بھی شریعت کا حکم آسانی کے ساتھ معلوم کیا جا سکے۔

(۱) سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جزئیات کے متعلق صریح شرعی احکام ہم کو صرف انہی حوادث اور انہی امور کے متعلق معلوم ہو سکتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پیش آئے تھے۔ باقی رہے

وہ حوادث جو حضور کے بعد پیش آئے، تو ان کے متعلق شرع میں کوئی صریح حکم نہیں مل سکتا، بلکہ صرف اصول وکلیاتِ شرع ہی سے نکالا جا سکتا ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین اور ائمہ مجتہدین نے بعد کے حوادث پر جتنے شرعی احکام لگائے ہیں وہ اسی طرح اصول وکلیات سے اخذ کئے ہوئے ہیں، نہ کہ منصوص۔ اب اگر کوئی ایسا حادثہ پیش آتا ہے جو صحابہ یا ائمہ کے دور میں پیش نہیں آیا، یا کوئی ایسی چیز ایجاد ہوتی ہے جو اس دور میں موجود ہی نہ تھی، تو اس کے متعلق متقدمین کے اجتہادی احکام میں کوئی حکم تلاش کرنا بداہۃً غلط ہے۔ ایسے ہر حادثہ اور ایسی ہر چیز کے لئے ہم کو بھی اسی طرح اصول وکلیات کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جس طرح صحابہ اور ائمہ نے اپنے عہد کے حوادث میں کیا تھا۔

(۲) کسی نو ایجاد چیز کے استعمال کو مکروہ یا ناجائز ٹھیرانے کے لئے محض یہ بات کافی نہیں ہے کہ وہ عہدِ رسالت میں یا عہدِ صحابہ میں، یا عہدِ ائمہ میں موجود نہ تھی۔ تنزیلِ شرائع سے اللہ تعالیٰ کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ انسان کی قوتِ ایجاد ایک خاص دور کے بعد ختم ہو جائے، اور اسبابِ عالم کی تلاش وجستجو اور ان سے کام لینے کے نئے نئے طریقوں کی دریافت کا سلسلہ ایک خاص زمانہ تک تو جائز ہو اور اس کے بعد حرام قرار دیا جائے۔ جو لوگ سنت اور بدعت کی تعبیر اس طرح پر کرتے ہیں وہ اسلام اور مسلمانوں پر سب سے بڑا ظلم کرتے ہیں، کیونکہ وہ دشمنانِ اسلام کے اس الزام کی تصدیق ہے کہ اسلام کوئی دائمی مذہب نہیں بلکہ ایک خاص زمانہ کے لئے آیا تھا اور اب اس کے اتباع سے انسانی تمدن کے نشوو ارتقاء کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

(۳) تنزیلِ شرائع سے اللہ تعالیٰ کا اصل مقصد انسان کو وہ اصول سکھانا ہے جن کے تحت وہ اسبابِ عالم سے غلط کام لینے کے بجائے صحیح کام لے سکے، اور ان کو مضرت کے بجائے حقیقی منفعت اور سچی فلاح کے لئے استعمال کرے۔ ان اصولوں کی محض لفظی تعلیم ہی ہم کو قرآن اور حدیث میں نہیں دی گئی ہے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جن اسبابِ عالم پر انسان کو دسترس حاصل تھی، انہیں اسلامی طریق پر برت کر بھی ہم کو بتا دیا گیا ہے کہ آئندہ جن اسباب پر دسترس حاصل ہو انہیں اس طور پر اور ان مقاصد کے لئے استعمال

کرنا چاہئیے۔ صحابۂ کرام اور ائمہ سلف نے اصولِ شرع کو اسی اسپرٹ میں سمجھا اور تمدن کی ترقی کے ساتھ سامنے نئے حوادث اور نئی اشیاء پر اصولِ اسلام کو منطبق کر کے انھوں نے شرع کی ہدایت کو ہمارے لئے اور زیادہ روشن کر دیا۔ اب اگر ہم ان اصولوں کو سمجھ جائیں تو قوائے فطرت میں سے جو نئی قوت ہمارے علم میں آئیگی اور اسبابِ کائنات میں سے جس نئے سبب پر ہمیں دست رس حاصل ہوگی اس کے معاملہ میں ہم کو ہرگز کوئی حیرانی و سرگردانی پیش نہ آئے گی۔ ہم نہ تو اس اجنبی چیز سے ڈرائیں گے اور نہ اس کے سامنے ٹھٹک کر کھڑے ہو جائیں گے، بلکہ اصولِ شرع میں تدبر کر کے بلا تکلف یہ معلوم کر لیں گے کہ اس کو استعمال کیا جائے یا نہ کیا جائے، اور اگر استعمال کیا جائے تو استعمال کا پسندیدہ طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا ہے، اور ناپسندیدہ طریقہ کونسا ہے۔ ہر نئی چیز سے ڈرانے اور تمدن کی ترقی کے راستہ میں ہر ہر قدم پر ٹھٹک کر کھڑے ہو جانے کی کیفیت جو آجکل پیش آرہی ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ شرع کے اصول و کلیات کو سمجھنے کے بجائے ہمارے علماء زیادہ تر فقہی جزئیات کے استقصاء میں منہمک رہتے ہیں۔

(۴) قرآن و حدیث سے یہ قاعدۂ کلیہ معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے تاوقتیکہ عدمِ اباحت پر کوئی دلیل نہ ہو۔ یعنی ہر چیز کو پاک، حلال اور مباح سمجھا جائے گا جب تک کہ اس کے نجس یا حرام ہونے پر کوئی دلیل نہ لائی جائے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا	وہی ہے جس نے تمھارے لئے وہ سب چیزیں پیدا کیں جو زمین میں ہیں۔
وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ	اور اس نے ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں تمھارے لئے مسخر کیا۔

ان دونوں آیتوں سے ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کی ساری چیزیں انسان کے لئے ہیں، ہٰذا انسان ان سے کام لینے اور فائدہ اٹھانے کا مستحق ہے۔ ایک ایک چیز کے لئے الگ الگ اجازت کی ضرورت نہیں،

بلکہ جب تک کسی خاص چیز کے استعمال یا طریقِ استعمال کی ممانعت نہ ہو، سب چیزوں کو مباح اور طاہر ہی سمجھا جائے گا۔ اسی اصل کی طرف وہ حدیث اشارہ کرتی ہے جو ابوداؤد نے سلمان فارسیؓ سے بدیں الفاظ نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحلال ما احل اللہ فی کتابہ	حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام
والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت	وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کر دیا۔ رہیں وہ
عنہ فھو مما عفا عنہ	چیزیں جن کا ذکر نہیں کیا گیا تو وہ معاف ہیں۔

(۵) اشیاء کی حرمت اور حلّت کے احکام جس قاعدے پر مبنی ہیں اس کی تصریح بھی قرآن میں کر دی گئی ہے، یعنی

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ	ہمارا نبی ان کے لئے مفید چیزیں حلال کرتا ہے اور مضر
عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ	چیزیں حرام کرتا ہے۔

اور اسی کی تفسیر حدیث میں فرمائی گئی ہے کہ لاضرر ولاضرار فی الاسلام۔ لہٰذا جن چیزوں کی حرمت کا صریح حکم نہیں ہے ان کے حق میں اس قاعدۂ کلیہ کے لحاظ سے دیکھا جائے گا کہ آیا وہ انسان کے لئے مضرت رساں ہیں یا منفعت بخش۔ اگر مضرت ثابت ہو تو وہ حرام ہیں اور منفعت ثابت ہو تو حلال۔ اسی طرح ان کے طریقہائے استعمال کو بھی اسی قاعدہ کے لحاظ سے جانچا جائے گا۔ جو طریقِ استعمال موجب فساد ہو وہ ممنوع ہے اور جو طریقِ استعمال موجبِ صلاح ہو وہ مباح ہے۔

(۶) منفعت اور مضرت، صلاح اور فساد کے بارے میں بھی شارع نے ہم کو ایک معیار دیا ہے۔ ہم اندھیرے میں نہیں چھوڑ دیے گئے ہیں کہ جس چیز کو چاہیں مفید اور جس کو چاہیں مضر ٹھیرالیں۔ بلکہ ہمیں چند اصول بتائے گئے ہیں جن کے لحاظ سے فائدے اور مضرت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ انہی اصولوں میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ جو چیز فرائضِ دینی کی بجاآوری میں مانع ہو وہ مضر ہے

اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہئے، اور جو چیز اس میں مددگار ہو وہ مفید ہے اس لئے اس کا استعمال نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔ مثلاً رویتِ ہلال میں اگر برہنہ آنکھ کی بہ نسبت دوربین کے استعمال سے زیادہ سہولت پیدا ہوتی ہے تو اسے مستحسن سمجھنا چاہیے۔ رمضان میں سحر کا آخری وقت معلوم کرنے کے لئے، اور روزمرہ نماز کے اوقات متعین کرنے کے لئے گھڑی زیادہ مددگار ہوتی ہے تو اس کا استعمال بھی مستحسن ہونا چاہئے۔ سفر حج کے لئے اونٹ کی بہ نسبت موٹر یا ہوائی جہاز سے زیادہ سہولت پیدا ہوتی ہے تو اس کا استحسان بھی ناقابلِ انکار ہے۔ فریضۂ جہاد کی بجا آوری میں نیزہ و شمشیر اور اسپ و فیل کی بہ نسبت بندوق، توپ، جنگی جہاز اور ہوائی جہاز زیادہ کارآمد ہیں تو ان کے مستحسن ہونے میں بھی کلام نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کوئی شخص ان چیزوں کے حق میں حرمت یا کراہت یا توقف کا مسلک اختیار کرتا ہے، محض اس لئے کہ زمانۂ سلف میں یہ چیزیں استعمال نہیں ہوئیں، تو وہ روحِ شرع سے قطعاً بے بہرہ ہے۔

(۷) جو چیز کسی ایسے مقصد کے لئے بنائی گئی ہو جسے شرع نے حرام قرار دیا ہے اور اس امر ممنوع کے سوا اس چیز کا کوئی اور استعمال بھی نہ ہو تو اس کے مطلقاً ممنوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔ مگر جو چیز اچھے اور برے، مفید اور مضر دونوں طرح کے کاموں کے لئے آلہ کے طور پر کام آتی ہو، اس کو محض اس بنا پر حرام نہیں کہا جا سکتا کہ فاسقین کے ہاتھوں میں اس کا غالب استعمال ممنوعات کے لئے ہے۔ مثلاً گراموفون محض ایک آلہ ہے جس کو اچھے اور برے دونوں مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ہم نفس گراموفون کو حرام نہیں کہہ سکتے، بلکہ حرمت کا حکم صرف اس طریقِ استعمال سے متعلق ہوگا جو شہوات کو بھڑکانے والا اور فحش کی اشاعت کرنے والا ہے۔

اصولِ مذکورۂ بالا کو سامنے رکھ کر جب ہم اس سوال پر غور کرتے ہیں کہ لاؤڈ اسپیکر کے متعلق شرع کا حکم کیا ہے تو کوئی امر ہمیں اس نتیجہ تک پہنچنے سے نہیں روکتا کہ اس آلہ کا استعمال مطلقاً مباح ہے، اور نماز میں اس کا استعمال مستحسن ہے۔ یہ اُن اسبابِ عالم میں سے ایک سبب ہے جنھیں خدا نے ہمارے لئے پیدا کیا ہے۔

اس کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ قدرتی طور پر جو آواز نکلتی ہے، یہ آلہ اسی آواز کو لے کر زیادہ بلند کر دیتا ہے۔ چونکہ اس پر حال میں ہم کو دسترس حاصل ہوئی ہے اس لئے خاص اس کے متعلق کوئی حکم سنت یا اجتہادات متقدمین میں تلاش کرنا اصلاً غلط ہے، البتہ شرع نے جو اصول ہم کو کسی چیز کی اباحت یا حرمت معلوم کرنے کے لئے دیئے ہیں ان کے لحاظ سے اس کے مطلقاً مباح ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ رہے اس کے استعمالات، تو باطل کی آواز بلند کرنے اور فواحش کا بول بالا کرنے میں اس کا استعمال حرام ہے۔ جائز آوازوں کے بلند کرنے میں اس کا استعمال جائز ہے۔ اور خدا کا نام بلند کرنے میں خدا ہی کی پیدا کی ہوئی اس طاقت سے کام لینا بالیقین مستحسن ہے۔ یہ بالکل ہی ایک عجیب بات ہوگی کہ کفار تو خدا کے مسخر کئے ہوئے اس خادم سے باطل کا آوازہ بلند کرائیں، اور ہم حق کا آوازہ بلند کرنے کے لئے اس سے خدمت لینے میں تامل کریں۔

اب صرف ایک شک باقی رہ جاتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ نماز میں امام کے سوا کسی اور کی آواز پر مقتدیوں کا حرکت کرنا مفسدِ صلوٰۃ ہے لہٰذا اگر لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر مقتدی رکوع و سجود کریں گے تو ان کی نماز نہ ہوگی۔ لیکن یہ شک متعدد حیثیات سے غلط ہے۔

اولاً، لاؤڈ اسپیکر سے جو آواز نکلتی ہے وہ غیر امام کی آواز نہیں ہے بلکہ بعینہٖ وہی آواز ہے جو امام کے منہ سے نکلتی ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ بجلی کی طاقت سے وہ زیادہ بلند ہو جاتی ہے، اور اس لحاظ سے اس کی حیثیت قریب قریب اس گونج کی سی ہے جو مسجد کی محراب سے امام کی آواز پر بلند ہوتی ہے۔

ثانیاً، اصولِ فقہ کا متفقہ مسئلہ ہے کہ التابع تابع، یعنی جو حکم متبوع کا ہے وہی تابع کا ہے۔ اسی قاعدہ کی بنا پر بڑی جماعتوں میں جو مکبر کھڑے کئے جاتے ہیں ان کی آواز پر رکوع و سجود اور قیام و قعود کرنا مقتدیوں کے لئے جائز ہے، کیونکہ اگرچہ وہ غیر امام ہیں، مگر امام کے تابع ہیں، اس لئے ان کی آواز کا حکم امام کی آواز کا حکم ہے۔ پس اگر لاؤڈ اسپیکر کی آواز غیر امام کی آواز بھی ہے تب بھی وہ

تابع امام ہونے کی حیثیت سے اُس مقتدی کی مانند ہے جو صفوں کے درمیان تکبیر بلند کرنے کے لئے کھڑا کیا جاتا ہے۔ بلکہ جب ہم زیادہ غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تابع امام ہونے میں یہ آلہ مقتدی سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ مقتدی تو خود بھی آواز نکالنے پر قادر ہوتا ہے، حتی کہ اگر جماعت میں کوئی منافق موجود ہو تو وہ امام کے خلاف تکبیریں بلند کر کے ہزاروں آدمیوں کی نمازیں خراب کر سکتا ہے۔ لیکن لاؤڈ اسپیکر اس قدر کامل طور پر امام کا تابع ہے کہ جب تک امام نہ بولے گا وہ بھی نہ بولے گا، جو آواز امام کی زبان سے نکلے گی ٹھیک ٹھیک وہی آواز بلا ادنیٰ تغیر اس سے بھی بلند ہوگی، حتی کہ امام کا لہجہ اور اس کا تلفظ تک جوں کا توں منتقل ہوگا اور جو شخص امام کی آواز پہچانتا ہو وہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز سن کر پہچان لے گا کہ یہ امام ہی کی آواز ہے۔ اتنے کمال درجہ کے تابع کا حکم متبوع کے حکم سے مختلف کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مکبّر نماز میں شریک ہوتا ہے لیکن آلۂ مکبر الصوت شریک نماز نہیں ہوتا، تو ہم صرف یہ آیت یاد دلائیں گے کہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔ قرآن کی رو سے تو مسلمان جب نماز پڑھتا ہے تو وہ تنہا نہیں پڑھتا بلکہ ساری کائنات اس کے ساتھ شریک نماز ہوتی ہے اگرچہ ناواقفانِ راز ان غیر ناطق اشیاء کی نماز کو سمجھ نہیں سکتے۔

ثالثاً، اگر کوئی شخص اس جگہ آیت مذکورۃ الصدر کے اطلاق کو تسلیم نہ کرے اور آلۂ مکبر الصوت کو خارج از صلوٰۃ قرار دے کر اس کو تابع امام نہ مانے تو ہم کہیں گے کہ نماز میں غیر امام کی آواز پر حرکت کرنا مطلقاً مفسدِ صلوٰۃ نہیں ہے۔ مثال کے طور پر:

(۱) اگر آدمی نماز میں ہو اور کوئی سلام کرے تو اشارے سے جواب دینا مفسدِ صلوٰۃ نہیں۔ ترمذی میں حضرت بلال سے اور نسائی میں حضرت صہیب سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ نماز میں سلام کیا جاتا تو آپ ہاتھ کے اشارے سے جواب دیتے تھے۔

(۲) نماز میں اگر کسی شخص سے کسی ضروری بات کے متعلق سوال کیا جائے تو اشارے سے جواب

دینا بھی مفسدِ صلوٰۃ نہیں۔ چنانچہ خلاصہ میں ہے کہ مصلّی کو سلام کیا جائے اور وہ ہاتھ یا سر کے اشارے سے جواب دے دے، یا اسے کسی چیز کی خبر دی جائے اور وہ سر کی حرکت سے ہاں یا نہیں کا اشارہ کردے، یا اس سے پوچھا جائے کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں اور وہ انگلیوں کے اشارہ سے بتادے تو یہ مفسدِ صلوٰۃ نہیں۔ (فتح القدیر جلد اوّل صفحہ ۲۹۲)

(۳) اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی اسے پکارے اور وہ اس کو یہ بتانے کے لئے کہ میں نماز میں ہوں زور سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہدے تو اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ (ہدایہ۔ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا)

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو نماز مختصر کر دیتے تھے تاکہ بچے کی ماں اگر شریکِ جماعت ہو تو وہ پریشان نہ ہونے پائے۔ بخاری اور مسلم میں اس مضمون کی متعدد روایتیں ہیں)

(۵) حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض سخت ہوگیا تو آپ کے حکم سے حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھانے لگے۔ ایک روز حضورؐ نے مرض میں کمی محسوس فرمائی اور نماز میں شریک ہونے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب آپ کے آنے کی آہٹ پائی تو پیچھے ہٹنے لگے، مگر آپ نے اشارہ سے ان کو منع کیا چنانچہ وہ اپنی جگہ کھڑے رہے اور آنحضرتؐ ان کی بائیں جانب جاکر بیٹھ گئے (متفق علیہ)

(۶) مسجد قبا میں لوگ نماز پڑھ رہے تھے کہ تحویل قبلہ کی منادی ان کے کانوں میں پہنچی اور انھوں نے اسی حالت میں اپنا رخ کعبہ کی طرف پھیر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کو نہ صرف جائز رکھا بلکہ پسند فرمایا۔ اسی سے فقہاء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر کوئی شخص سمتِ قبلہ سے ناواقف ہو اور گمان غالب کی بنا پر کسی رخ پر نماز پڑھ رہا ہو، پھر اسی حالت میں کوئی اسے قبلہ کی صحیح سمت بتادے، تو اسی وقت اس کو صحیح سمت کی طرف پھر جانا چاہئے (ہدایہ باب شروط الصلوٰۃ

اللتی تتقدمہا)

ان مثالوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اگر غیر مصلّی کے ذریعہ سے بھی مقتدیوں کو امام کے رکوع و سجود اور قیام و قعود کی اطلاع پہنچے، اور وہ ذریعہ قابلِ اعتماد ہو تو اس کے مطابق حرکت کرنے سے نماز میں کوئی قباحت واقع نہیں ہوتی۔ قاطعِ صلوٰۃ جو چیز ہے وہ دراصل اس نوعیت کا فعل ہے جس میں آپ کو مشغول دیکھ کر ناواقف آدمی یہ گمان کرے کہ آپ نماز نہیں پڑھ رہے ہیں۔ یا پھر مصلّی اور غیر مصلّی کے درمیان ایسا معاملہ ہو جو مکالمہ اور تعلیم و تعلّم کی حد تک پہنچا ہوا ہو۔ چنانچہ مبسوط میں ہے:

کل عمل اذا نظر الیہ الناظر من بعید لا یشک انہ فی غیر الصلوٰۃ فھو مفسد لصلوتہ۔ وکل عمل لو نظر الیہ الناظر فربما یشتبہ علیہ انہ فی الصلوٰۃ فذلک غیر مفسد (جلد اوّل صفحہ ۱۹۵)

ہر وہ عمل جسے دور سے دیکھ کر آدمی بلاشک یہ سمجھے کہ اس کا مرتکب نماز میں نہیں ہے، مفسدِ صلوٰۃ ہے۔ اور ہر وہ عمل جسے دیکھنے کے باوجود آدمی یہ شبہ کر سکتا ہو کہ وہ نماز میں ہے مفسد صلوٰۃ نہیں ہے۔

اور مبسوط ہی میں دوسری جگہ ہے:۔

فاما غیر المقتدی اذا فتح علی المصلی نفسد بہ صلوٰۃ المصلی وکذلک المصلی اذا فتح علی غیر المصلی، لانہ تعلیم وتعلّم و القاری اذا استفتح غیرہ فکانہ یقول بعد ما قرأت ماذا فذکرنی والذی یفتح علیہ کانہ یقول بعد ما قرأت کذا فخذ منی (صفحہ ۱۹۳)

اگر غیر مقتدی (خواہ الگ نماز پڑھ رہا ہو یا نماز نہ پڑھ رہا ہو) مصلّی کو لقمہ دے تو مصلّی کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اسی طرح اگر مصلّی غیر مصلّی کو لقمہ دے تب بھی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ تعلیم و تعلّم ہے۔ قاری جب پڑھتے پڑھتے لقمہ مانگتا ہے تو گویا وہ سامع سے کہتا ہے کہ "اس کے بعد کیا ہے؟ مجھے یاد دلاؤ" اور لقمہ دینے والا گویا اس کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ "اس کے بعد یہ ہے۔ یہ لو"

(یعنی اس طرح لقمہ دینا اور لقمہ لینا کلام کی حد میں آجاتا ہے)

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ نماز پڑھا رہے تھے۔ حضرت رفاعؓ بن رافع کو چھینک آئی اور انھوں نے زور سے کہا الحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ۔ مبارکاً علیہ کما یحب ربنا ویرضی۔ نماز ختم ہونے کے بعد حضور نے فرمایا "یہ کون تھا جس نے یہ فقرہ کہا تھا؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تیس سے زیادہ فرشتے اس قول کو لے جانے کے لئے ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے تھے" (ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)۔ دوسری حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اس حال میں نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ کے کندھے پر ایک بچی (امامہ بنت ابی العاص) بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ جب رکوع میں جاتے تو اس کو اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اسے پھر کندھے پر بٹھا لیتے (بخاری و مسلم)۔ چنانچہ اسی بنا پر فقہاء نے مسئلہ نکالا ہے کہ اگر نماز میں بچے کو اٹھائے رہے تو یہ فعل مفسدِ صلوٰۃ نہیں ہے (عالمگیری)۔ نیز حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ نماز پڑھا رہے تھے اتنے میں ایک بچھو نے آپ کو کاٹ لیا اور اسی حالت میں آپ نے اپنی جوتی رکھ کر اس کو مار ڈالا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اقتلوا الاسودین ولو کنتم فی الصلوٰۃ یعنی بچھو اور سانپ کو مار دو خواہ تم نماز ہی میں کیوں نہ ہو (احمد۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی)

پس جب کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر رکوع و سجود کرنا نہ فعل کثیر ہے، نہ تعلیم و تعلم اور مکالمہ کی تعریف میں آتا ہے تو اس کے مفسدِ صلوٰۃ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور جب کہ نماز میں بہت سے ایسے افعال کو بھی جائز رکھا گیا ہے جن کا نفسِ نماز سے کوئی تعلق بھی نہیں، تو فقط اتنی سی بات کہ ایک آلہ کے ذریعہ سے امام کے الفاظ کی نقل سن کر آدمی رکوع یا سجدہ میں چلا جائے، کس طرح مفسدِ صلوٰۃ ہو سکتی ہے؟۔

یہ دلائل ہیں جن کی بنا پر میں نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو نہ صرف جائز بلکہ احسن سمجھتا ہوں اور میرا وجدان یہ گواہی دیتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ آلہ موجود ہوتا تو آپ یقیناً اس کو

(باقی صفحہ ۲۰ کے نیچے ملاحظہ ہو)